

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقش آغاز

نظام زکوٰۃ کا نفاذ

ہر شعبان المعظم کو اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد سے صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے قوانین عشرہ و زکوٰۃ کے نفاذ کا اعلان کیا جسے پوری قوم نے براہ راست سنا اور دیکھا۔ زکوٰۃ ایک فرضیہ اور رکن اسلام ہے۔ قرآن کریم میں نماز کے بعد سب سے زیادہ زور زکوٰۃ پر دیا گیا ہے، ایک اسلامی فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے لئے اسکی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ پس بلاشبہ جو بھی حکومت یا معاشرہ اسلامی نظام کو اختیار کرے گی اس کیلئے نظام زکوٰۃ کا نفاذ ناگزیر ہوگا کہ نظام اسلامی صرف چند عبادات کا نام نہیں معاشیات بھی اور معاشرت و تمدن کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ سے اس کا تعلق ہے۔ اس جامع فطری نظام میں دین و دنیا دونوں کو مربوط رکھنے کے لئے اولین فرضیہ حکومت عادلہ اقامت الصلوٰۃ کے ساتھ ہی دائرہ الزکوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر زکوٰۃ کو ایک ٹیکس اور مالیہ نہیں بلکہ اہم ترین عبادت قرار دے کر تمام عبادتی تقاضوں اور مراعات کا لحاظ بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اپنے اندر معاشی اعتدال، ایثار و قناعت، اخلاقی تطہیر، تزکیہ نفس کا ایک ہم گیر فلسفہ رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ حکومت کا نظام زکوٰۃ کی طرف پیش رفت ایک نہایت ہی مستحسن اور قابل تبریک اقدام ہے۔ لیکن یہ اقدام جتنا کسی بھی اسلامی حکومت کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ اتنا ہی زکوٰۃ کے محاصل و مصارف میں اس کا عباداتی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسکی مقرر کردہ حدود و شرائط کی رعایت کے لحاظ سے یہ ایک شدید آزمائش اور گرانبار ذمہ داری اور نازک امتحان بھی ہے۔ اور جتنا بھی یہ اقدام شرعی رعایتوں اور تقاضوں پر پورا اترے اور شریعت کے مقرر کردہ تفصیلات اور باریکیوں کی رعایت ہو اتنا ہی یہ کامیابی سے ممکن اور عظیم برکات و ثمرات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو کسی اسلامی معاشرہ کو اسلامی خطوط پر ڈالنے کی ہے۔ اور خلق کا رشتہ خالق سے جوڑنے کے بعد کوئی خوشحال، پر امن، مضبوط اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی بناء پر سب سے پہلے اہم ترین عبادات نماز کی اقامت پر زور دیکر نظام معاشیات و مالیات کا رشتہ عبادات سے جوڑ دیا کہ جس مسلمان کا تعلق عبادات سے درست ہوگا، اسکی معاشرت بھی درست ہو سکے گی۔ اگر کوئی حکومت اقامت صلوٰۃ کو معاشرے کا انفرادی معاملہ قرار دیتی ہے۔ (جبکہ اسلام نے اقامت صلوٰۃ کو اسکی اولین اجتماعی ذمہ داری قرار

دیا ہے اور اس کے لئے بھی قوانین وضع کئے۔ مگر زکوٰۃ کو اجتماعی اور جبری ذمہ داری سمجھتی ہے، تو وہ غلطی پر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کی اس تفریق کو ختم کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ واللہ له قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک اگر زکوٰۃ کو صلوٰۃ جیسا اہم نہ سمجھنے والے مستحق قتال ہو سکتے ہیں تو نماز (جو قصر اسلام کا عمود ستون ہے) کو زکوٰۃ سے کم اہم سمجھنے والے کب ایسے وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اگر زمین عبادات سے تیار اور زرخیز ہوگی اس میں معاشیات اور دنیوی معاملات بھی برگ و بار لاسکیں گے۔ ورنہ ساری عمارت ہواپہ استوار رہے گی نہ فلاحی معاشرہ تشکیل پاسکے گا۔ نہ کوئی خوشحال تمدن اور نہ کوئی کل سیدھی بیٹھ سکے گی۔

اسی وجہ سے بہت سے حلقوں نے موجودہ صورت میں زکوٰۃ وضع کرنے کے بارہ میں اس پریشانی اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ سودی کھاتوں اور اثاثوں سے ڈیھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ وضع کر کے حکومت نے ایک قسم کی شرح سود میں کمی کر دی ہے۔ اگر ساڑھے سات فیصد سود کی شرح ملتی تو اب پانچ فیصد رہ گئی ہے۔ اگرچہ صدر محترم نے حالیہ ایک بیان میں اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد کرنا چاہا ہے کہ زکوٰۃ اصل مال سے وضع کی گئی ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر گیارہ سو جمع شدہ روپے سے حکومت نے ساڑھے ستائیس روپے وضع کر لئے تو ۲۵ روپے تو اصل مال ایک ہزار کے ہو گئے۔ جسے فقہاء بھی زکوٰۃ ہی قرار دیں گے۔ مگر زائد سودی رقم ایک سو روپے کے بدلے صرف ڈیھائی روپے زکوٰۃ نہ رہے گو زکوٰۃ فنڈ میں چلے جانے میں قباحت نہیں ہے بلکہ ساری سودی رقم (ایک سو روپے) بھی صدقہ ہونی چاہئے تھی۔ بہر حال یہ ساری خرابی اور پیمیدگی اسی وجہ سے ہے کہ اسلام کے نظام زکوٰۃ اور مالیت کے دینی نظام دونوں کو ایک ساتھ نبھانا پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔ اور دونوں متوازن خطوط میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

علمی و فقہی حلقوں کی طرف سے اب تک جو مزید اعتراضات اٹھائے گئے ہیں ان کا ازالہ بھی بہت جلد اور نہایت لازمی ہے۔ مثلاً (الف) مصارف زکوٰۃ (مات خرچ) اسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ خود متعین فرما دیا ہے۔ مصارف و تحقیقین قطعی متعین ہیں مگر حکمنامہ کی دفعہ ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تعلیمی اداروں (تنظیموں وغیرہ) رہائی اداروں عمارات وغیرہ کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قطعی اور مخصوص مصارف سے ہٹ کر جو بھی رقم خرچ کی جائے گی وہ زکوٰۃ میں نہیں محسوب ہو سکتی اور نہ صاحب زکوٰۃ بری الزمہ ہو سکے گا۔ (ب) نصاب زکوٰۃ بھی قطعی متعین ہے۔ یعنی ساڑھے باون تو لے چاندی یا اتنی قیمت نقدی یا سونے یا مال تجارت کا مالک ہو یا ان سب چیزوں میں سے بعض کا بنکی مالیت ساڑھے باون تو لے چاندی کے برابر ہو اور اگر یہ کچھ بھی نہ ہو صرف سونا ہو تو اسکی تعداد ساڑھے سات تو لے ہے۔ مگر

موجودہ شکل میں صرف ایک ہزار کی نقدی رکھنے والوں سے بھی زکوٰۃ وضع کر لی گئی ہے جبکہ اگر وہ کسی اور مالیت کا مالک نہ ہو تو صاحبِ نصاب نہیں کہلا سکتا۔ حال ہی میں صدرِ محترم نے اس اعتراض کے ازالہ میں نصاب کے مذکورہ باقی سب صورتوں کو نظر انداز کر کے صرف آخری صورت پر اے تو لے سونا والی شق کا ذکر کر کے غلط فہمی کا مظاہرہ کیا ہے یا مغالطہ انگیزی کا۔ (ج) حوالانِ حول۔ یعنی اصل مقدارِ نصاب پر پورا ایک سال گزرنا ضروری ہے۔ اس سے زائد مقدار پر اگرچہ پورا سال نہ گزرے مگر بنیادی نصاب پر ضروری ہے۔ موجودہ صورت میں چند دن یا ایک دن قبل بھی اگر کسی نے رقم جمع کرائی تھی اور وہ اس سے قبل صاحبِ نصاب نہ بھی تھا اس سے بھی زکوٰۃ وضع کی گئی جو عند اللہ عصب و جباۃ تو ہے زکوٰۃ عبادت ہرگز نہیں۔ (د) ایک مسئلہ یہ اٹھایا گیا ہے کہ بنکوں کی رقوم قرض رکھی ہوتی ہیں کیا کسی مقروض کو یہ حق ہے کہ وہ صاحبِ مال کی اجازت کے بغیر قرض کی زکوٰۃ ادا کر دے۔ یا حکومت مقروض کے مال کو جبراً قرضدار سے وصول کرے اس کے ساتھ ہی اگر بنک وغیرہ کے اثاثوں کے علاوہ صاحبِ مال خود مقروض، ہے تو کیا حکومت نے وضع کرنے میں قرضوں کے منہا کرنے کی رعایت برتی ہے؟ جبکہ اکثر ائمہ کرام کے نزدیک قرضوں کو منہا کرنا ضروری ہے۔ (ه) حکومت اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وضع کرنے کی مجاز نہیں کیا موجودہ بنک اور دیگر مالیاتی اثاثے اموالِ باطنہ میں آتے ہیں جیسا کہ فقہاء امت نے نقد کو سمجھا ہے۔ یا پھر اسے اموالِ ظاہرہ میں محسوب کر دینے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ بعض معاصر علماء و محققین کی رائے ہے۔ (و) زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور کوئی عبادت بغیر نیت اور انگلی کے ادا نہیں ہو سکتی جیسے کہ نماز، حج و روزہ۔ کیا اصحابِ اموال کی لاعلمی اور ارادہ و نیت کے بغیر اچانک ان سے رقم زکوٰۃ وضع کر لینا انہیں فرضیہ زکوٰۃ سے سبکدوش کر سکے گا یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر حکومت کو ماسکان سے کھانا کھولتے وقت ایسی اجازت لینا پڑے گی کہ نیت اور ارادہ اس میں شامل ہو سکے۔ (ز) یہی حال نابالغ کے اموال سے وضع زکوٰۃ کا ہے۔ کہ دیگر ائمہ کے نزدیک شرط ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک گنجائش موجود ہے۔ (ح) میت کے ترکے یا اثاثے جو بنک وغیرہ میں پڑے ہوئے ہیں اور مالک کی وفات کے ساتھ ہی درحقیقت وراثت کی ملکیت ہو چکے ہیں اگر تقسیم کے بعد یہ لوگ صاحبِ نصاب نہیں رہتے تو ایسے اکاؤنٹ یا اثاثوں سے زکوٰۃ لینا کب جائز ہوگا۔

یہی حال عشر وغیرہ کے بارہ میں فقہی قوانین اور شرعی حدود اور تقاضوں کا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ بعض جید اور غلص علماء ان کے بارہ میں اپنا نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں۔

اگر حکومت ان تمام خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کر دیتی ہے۔ اور نظامِ زکوٰۃ کے نفاذ و تقسیم کا کام شرعی طور پر اہل اور باصلاحیت افراد کو سونپ دیتی ہے تو حکومت کا یہ اقدام نہ صرف پاکستان کی خوشحالی کا ضامن بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک روشن مثال ثابت ہو سکے گا۔ (جاری ہے)

کسب الحق

واللہ یقول الحق وهو یمدنی السبیل۔